THE RESEARCH DIALOGUE
An Online Quarterly Multi-Disciplinary
Peer-Reviewed / Refereed Research Journal
ISSN: 2583-438X
© The Research Dialogue | Volume-05 | Issue-01 | April-2026
Available online at: https://theresearchdialogue.com/
DOI : https://doi.org/10.64880/theresearchdialogue.v5i1.43

Shamim Hashmi ki shayeri-wajud se rafaqat tak ek dakhli safar

Md. Ilyas Ansari
Research Scholar, Dept.of Urdu BBMKU Dhanbad

شمیم ہاشمی کی شاعری۔ وجود سے رفاقت تک ایک داخلی سفر

محمد الیاس انصاری

اردو غزل ہمیشہ انسانی احساسات کی سب سے معتبر تر جمان رہی ہے۔ میر کی سادگی ، غالب کی ژرف نگاہی ، اقبال کی فکر فیض کی اجتماعی حس اور ناصر کاظمی کی تنہائی، یہ سب اس صنف کے وہ رنگ ہیں جن میں انسان کا اندرونی کرب اور خارجی تجر بہ ایک ساتھ جلوہ گر ہوتے ہیں۔ جدید عہد میں جب انسان مشینی زندگی ، وقت کے دباؤ اور روحانی اجنبیت کے شکنجوں میں جکڑ گیا ہے، کچھ شعرا نے اس تجربے کونئی فکری سمتوں میں برتا۔ انہی میں ایک نمایاں نام شمیم ہاشمی کا ہے ۔ وہ شاعر جس نے احساس کی لطافت کو فکری گہرائی اور سادہ اظہار کے ساتھ ہم آہنگ کر کے اپنی ایک جدا گانہ شعری پہچان قائم کی۔ شمیم ہاشمی کے دو مجموعے " ٹوٹتے پتوں کا دُکھ اور " خارزار ان کے فکری وفنی ارتقا کے دوروشن استعارے ہیں۔ پہلا مجموعہ ایک حساس دل کے انفرادی دکھوں کی سرگزشت ہے جب کہ دوسرا مجموعہ اس داخلی دکھ کے اجتماعی اور فکری رُخ کو ظاہر کرتا ہے۔ وہ بنیادی طور پر غزل کے شاعر ہیں مگر ان کی غزلیں محض عشقیہ واردات یا جذباتی رد عمل نہیں بلکہ انسان کی داخلی کشمکش، وجودی بحران اور سماجی بے حسی کا عکاس ہیں۔ ان کے یہاں احساسات محض بیان نہیں ہوتے بلکہ شعور کے آئینے میں منعکس ہو کر ایک گہری فکری معنویت اختیار کر لیتے ہیں۔ شمیم ہاشمی کی شاعری کا مطالعہ کیا جائے تو ان کے یہاں چند بنیادی تجرباتی جہتیں نمایاں ہوتی ہیں۔ وجودی بحران، تنہائی اور بیوطنی ، جذباتی استحصال، رفاقت کا زوال اور زندگی کو بطور آزمائش قبول کرنے کا شعور۔ یہ تمام پہلو بظاہر الگ الگ محسوس ہوتے ہیں لیکن دراصل یہ ایک ہی داخلی سفر کے مختلف مراحل ہیں۔ خود سے رفاقت، رفاقت سے جدائی، اور جدائی سے

فہم حیات تک کا سفر ۔ شمیم ہاشمی کے یہاں سب سے پہلے وجودی بحران کا احساس نمایاں نظر آتا ہے۔ ان کے کئی اشعار میں انسان کی شناخت کے بکھرنے ، ذات کی اجنبیت اور روح کی تھکن کا ذکر ملتا ہے۔ وہ ایک ایسی دنیا میں سانس لیتے ہیں جہاں انسان اپنی معنویت کھو چکا ہے۔ دیکھئے یہ شعر:

رفتہ رفتہ زندگی خود بھی ادھوری ہو گئی

میری اپنی شخصیت جب فائلوں میں کھو گئی

یہاں فائلوں کا استعارہ جدید انسان کی بیگانگی کی علامت ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے جب انسان اپنی زندگی ، جذبات اور وجود سب کو کاغذوں اور ضابطوں کے نیچے دفن کر چکا ہے۔ شمیم ہاشمی کے اس شعر میں محض شکایت نہیں بلکہ ایک گہری فکری بیداری ہے۔ جیسے شاعر اپنی ذات کے کھو جانے پر نوحہ خواں بھی ہے اور گواہ بھی ۔ ان کے یہاں غم ذاتی تجربہ نہیں رہتا بلکہ اجتماعی احساس میں ڈھل کر ایک مکمل انسانی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ اسی داخلی کرب کے تسلسل میں ان کے یہاں تنہائی اور

بیوطنی کی فضا جنم لیتی ہے۔ یہ تنہائی محض جسمانی نہیں بلکہ روحانی سطح کی اجنبیت ہے۔ شاعر اپنے ہی گھر ، اپنے ہی

معاشرے

میں برگا نہ ہو چکا ہے۔ وہ کہتا ہے:

چهل پہل نہیں کوئی، نہ زندگی کا نشاں

مرا وجود ہے تنہا اداس گھر کی طرح

یہ اداس گھر صرف مکان نہیں بلکہ وجود کی علامت ہے۔ ایک ایسا وجود جس میں روشنی تو ہے مگر سکون نہیں، جس میں سانس تو ہے مگر رفاقت نہیں ۔ شمیم ہاشمی کے یہاں گھر اور وجود کا یہ استعارہ زندگی کی تنہائی اور بے تعلقی دونوں کو ظاہر کرتا ہے۔

وہ خود اپنے اندرا جنبی ہو گئے ہیں ۔ یہی کیفیت ایک اور شعر میں مزید واضح ہوتی ہے:

زندگی شہر غریباں کی طرف جاتی ہے

مہرباں آج مجھے تم کوئی چادر دے دو

یہاں مشہر غریباں محض غریبوں کی بستی نہیں بلکہ روح کی بیوطنی کا استعارہ ہے ۔ چادر اس محبت اور تحفظ کی علامت ہے جس کی تلاش میں انسان تمام عمر سر گرداں رہتا ہے۔ یہ شعر ایک ایسے زمانے کا نوحہ ہے جہاں مادیت نے انسان سے اس کی گرمی احساس چھین لی ہے۔ شمیم ہاشمی کے یہاں تنہائی کے بعد جذباتی استحصال اور سماجی بے حسی کا بیان بھی نہایت شدت سے ابھرتا ہے۔ وہ اس معاشرے کے خلاف احتجاج کرتے ہیں جہاں انسان دوسروں کے دکھ سے لطف لیتا ہے اور ہمدردی کی جگہ تماش بینی نے لے لی ہے۔ شاعر کہتا ہے:

میرے جذبات سے کھیلو، میرے غم کو چھیڑو

دوستو مجھ کو زمانے میں تماشا کر دو

یہ طنز کے پیرائے میں آج کے انسان پر سخت چوٹ ہے۔ شاعر کا دکھ محض ذاتی نہیں بلکہ پورے معاشرے کے انحطاط

کی علامت ہے۔ احساس کے اس زوال کو وہ دوسری سطح پر یوں بیان کرتے ہیں :

صاحب درد کوئی ہوتا تو صاحب ہم بھی

اپنا دل اس کو دکھا دینے کی ہمت کرتے

یہاں صاحب درد وہ انسان ہے جو آج کی دنیا سے غائب ہو چکا ہے۔ یہ شعر ہمدردی کے ختم ہو جانے اور رشتوں کی مصنوعیت کا اعلان ہے۔ شمیم ہاشمی کے یہاں احتجاج چیخ میں نہیں ، خاموشی میں چھپا ہے ۔ وہ شور نہیں مچاتے مگر ان کی خاموشی چیخ سے زیادہ گہری سنائی دیتی ہے۔ شمیم ہاشمی کے کلام کا ایک اور نمایاں پہلو رفاقت کی غداری ہے ۔ ایک ایسا موضوع جو ان کی غزلوں میں بار بار طلوع ہوتا ہے۔ ان کے یہاں دوست کا مفہوم محض تعلق نہیں بلکہ تجربہ ہے اور جب یہی تعلق زخم بن جائے تو غم فکری سطح پر پہنچ جاتا ہے۔ شاعر کہتا ہے:

وہ جان بوجھ کے انجان بن گیا جس کو سمجھ کے دوست مدد کے لیے پکارا تھا

یہ شعر ایک تلخ سماجی تجربے کا عکاس ہے۔ انجان بن جانا محض لا پرواہی نہیں بلکہ بد اعتمادی کی انتہا ہے۔ ایک اور شعر

لباس دوست میں نکلے ہیں جو مدد کے لیے ہمارے قتل کی سازش بھی تو انہی کی تھی

یہاں لباس دوست کا استعارہ فریب رفاقت کی گہری علامت ہے۔ یہ اشعار بتاتے ہیں کہ شمیم ہاشمی کے نزدیک غداری محض فرد کی کمزوری نہیں بلکہ اخلاقی زوال کی اجتماعی صورت ہے۔ وہ اس عہد کی نمائندگی کرتے ہیں جہاں دوست کے لباس میں دشمن چھپے ہیں اور رفاقت مفاد کے تابع ہو چکی ہے۔ دیکھئے یہ شعر جس میں شاعر ایک فلسفیانہ انداز میں اپنے تمام

دکھوں تجربوں اور انکشافات کو ایک ہی سطر میں سمیٹ دیتا ہے:

یہ سچ ہے سہل نہیں اس جہان میں رہنا

کہ عمر بھر ہے یہاں امتحان میں رہنا

یہ شعر در اصل شمیم ہاشمی کے پورے فکری سفر کا حاصل ہے۔ یہ شکست نہیں بلکہ قبولیت کا اعلان ہے۔ زندگی کی تلخیوں کو شاعر نے فہم و بصیرت میں بدل دیا ہے۔ یہاں غم جذبات کی سطح سے نکل کرشعور کی باندی اختیار کر لیتا ہے۔ یہی ان کے فن کی

اصل کامیابی ہے۔ ان تمام پہلوؤں کو لایا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ شمیم ہاشمی کی شاعری دراصل جدید انسان کی داخلی خود نوشت ہے۔ ان کے یہاں دکھ ہے مگر وہ محض المیہ نہیں، شعور کی گہرائی میں ڈوبا ہوا دکھ ہے۔ ان کی غزلیں زبان و بیان کے اعتبار سے نہایت سادہ مگر معنوی لحاظ سے غیر معمولی ہیں۔ ان کے یہاں لفظ استعارہ نہیں بنتا، بلکہ زندگی خود استعارے میں ڈھل جاتی ہے۔ اس طرح ٹوٹتے پتوں کا دُکھ محض خزاں کی علامت نہیں بلکہ انسانی نا پائیداری کا استعارہ ہے اور خارزار صرف رنج والم کا حوالہ نہیں بلکہ اس عہد کی حقیقت کا مظہر ہے جہاں انسان محبت ، یقین ، اور احساس، متینوں سے محروم ہو چکا ہے۔ شمیم ہاشمی نے چینے بغیر ایک زمانے کی ویرانی کو آواز دی ہے۔ ان کے اشعار میں درد خا موشی میں ڈھل کر صداقت بن جاتا ہے۔ شمیم ہاشمی کو پڑھتے ہوئے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے ہم ایک شاعر نہیں، بلکہ ایک حساس انسان کے دل کی گہرائیوں میں جھانک رہے ہیں۔ وہ دکھ کے نہیں ، بلکہ دکھ کے شعور کے شاعر ہیں اور یہی ان کی شاعری کا سب سے بڑا اختصاص ہے ۔

Cite this Article:

Md. Ilyas Ansari, "Shamim Hashmi ki shayeri-wajud se rafaqat tak ek dakhli safar" The Research Dialogue, Open Access Peer-reviewed & Refereed Journal, Pp-393–395, Volume-05, Issue-01, April-2026, https://theresearchdialogue.com/

This is an Open cess Journal / article distributed under the terms of the Creative Commons Attribution License CC BY-NC-ND 3.0) which permits unrestricted use, distribution, and reproduction in any medium, provided the original work is properly cited. All rights reserved.

CERTIFICATE

of Publication

This Certificate is proudly presented to

Md. Ilyas Ansari

For publication of Research Paper title

Shamim Hashmi ki shayeri-wajud se rafaqat tak ek dakhli safar

Published in 'The Research Dialogue' Peer-Reviewed / Refereed Research Journal and E-ISSN: 2583-438X, Volume-05, Issue-01, Month April, Year-2026, Impact Factor (RPRI-4.73)

Dr. Lohans Kumar Kalyani Editor- In-chief	Dr. Neeraj Yadav Executive-In-Chief- Editor

Note: This E-Certificate is valid with published paper and the paper must be available online at: https://theresearchdialogue.com/

DOI : https://doi.org/10.64880/theresearchdialogue.v5i1.43